تکافل (اسلامی انشورنس)

پس منظر، ضرورت، اسلامی طریقۂ کار

خالد سیف اللہ رحمانی

انسان ایک عاجز مخلوق ہے، اسے بہت سے ایسے واقعات اور حادثات سے گزرنا پڑتا ہے، جو اس کے لئے تکلیف دہ اور ناگوار خاطر ہوا کرتے ہیں، وہ چاہتا ہے کہ ایسے خطرات اور اندیشوں سے اس کو امن حاصل ہو، یا کم سے کم اس کی تلافی کی صورت ہو، مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ جائے، اس کا اسٹیمر ڈوب جائے، اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوجائے، وہ ایسے حادثہ سے دوچار ہوجائے، جس سے اس کے کام کرنے کی صلاحتیں متاثر ہوجائیں، تو کوئی ایسی شکل موجود ہو کہ اس کی دشواریاں کم ہوجائیں اور اس کے نقصان کا مکافات ہوسکے، بعض دفعہ انسان کو اپنے متعلقین کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ اگر میری موت واقع ہوجائے تو میرے بچوں کی گزر بسر کیسے ہوگی؟ — انسان چاہتا ہے کہ وہ ایسے پر خطر اوقات کے لئے کوئی پیش بندی کرلے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ صنعتی ترقی اور مشینی وسائل نے انسان کو سہولت تو بہت پہنچائی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسی نسبت سے خطرات میں بھی اضافہ کیا ہے، انسان اپنے ہاتھ سے جو کام کرتا ہے، اس کی رفتار اس کے قابو میں ہوتی ہے، مشین کے ذریعہ جو کام انجام پاتا ہے، اس کی نوعیت یہ نہیں ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص تیز دوڑ رہا ہو اور آگے کوئی کھائی نظر آجائے تو وہ چشم زدن میں اپنے آپ کو روک سکتا ہے؛ لیکن اگر وہ تیز رفتار موٹر چلا رہا ہو اور اچانک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر کھائی نظر آئی تو اتنی جلدی وہ اپنی گاڑی کو کنٹرول نہیں کرسکتا، یہ محض ایک مثال ہے، ورنہ تو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانی عمل اور مشینی عمل کا یہ فرق بالکل واضح ہے، خطرات جس قدر بڑھتے ہیں، اسی قدر ان کے سد باب کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے۔

انشورنس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو خطرات افراد واشخاص کے لئے قابل برداشت نہ ہوں، ان کو اس قدر تقسیم کردیا جائے کہ وہ لوگوں کے لئے قابل برداشت ہوجائے، مثلاً کسی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوجائے اور ڈرائیور کو دس لاکھ روپے ہرجانہ ادا کرنے کو کہا جائے تو شاید وہ اسے زندگی بھر میں بھی ادا نہ کرسکے؛ لیکن اگر ایک لاکھ افراد

ڈرائیور کے پیشہ سے جڑے ہوئے ہوں اور ایک معاہدہ کے تحت ایسے موقع پر ہر ڈرائیور دس روپے ادا کردے تو اتنی رقم کا ادا کرنا کسی کے لئے بھی بار خاطر نہ ہوگا، انشورنس کا اصل مقصد یہی ہے۔

اسلام اور انشورنس کے بنیادی مقاصد

غور کیا جائے تو اپنے بنیادی مقصد کے اعتبار سے انشورنس اسلام کے 'نظام تکافل' کے عین مطابق ہے اور کتاب وسنت میں اس کی مختلف نظیریں موجود ہیں، بعض کا ذکر یہاں مناسب ہوگا :

(۱) اسلام میں کسی شخص سے متعلق جتنے واجبات ہیں، ان میں سب سے گراں قدر دیت (خون بہا) ہے، شریعت میں دیت کا اُصول یہ ہے کہ اس کی ادائیگی تنہا مجرم پر نہیں ہوگی؛ بلکہ اس کے عاقلہ رشتہ دار مل کرا سے ادا کریں گے، بظاہر اس کی دو مصلحتیں ہیں: ایک یہ کہ ایک بھاری ہرجانہ کی ادائیگی عام افراد کے بس سے باہر ہوتی ہے تو اس کے لئے تعاون کا ایک راستہ موجود رہے، دوسرے: جب دیت ادا کرنے میں تمام لوگ شریک ہوں گے تو سب لوگ مل کر جرم کو روکنے کی کوشش بھی کریں گے، دیت صرف قتل عمد پر ہی واجب نہیں ہوتی؛ بلکہ قتل خطاء پر بھی واجب ہوتی ہے، اس طرح ایک متوقع خطرہ کی تلافی کو بہت سے ایسے افراد پر تقسیم کردیا گیا ہے کہ اس کی ادائیگی ناقابل تحمل باقی نہ رہے، انشورنس کا بھی بنیادی منشاء یہی ہے، حضرت عمرؓ نے اس میں مزید وسعت برتتے ہوئے رشتہ داروں کی بجائے اس کے لئے ''اہل ارزاق'' اور ''اہل دیوان'' کے دو گروپ بنادیئے، اہل دیوان سرکاری اور فوجی ملازمین تھے اور اہل ارزاق وہ فقراء تھے جن کو ان کی غربت کی وجہ سے وظیفہ دیا جاتا تھا؛ چنانچہ احناف نے اسی سے اخذ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک پیشہ کے لوگ باہم ایک دوسرے کے ''عاقلہ'' ہوں گے :

لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعا قلتهم اهل الحرفة . (۱)

اس میں مزید سہولت ہے؛ کیوں کہ ایک پیشہ کے لوگ ایک طرح کے خطرہ سے دوچار ہوتے ہیں؛ اس لئے وہ زیادہ خوش دلی کے ساتھ اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔

(۲) رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من ترک دينا أو ضياعاً فليأتنى فأنا مولاه . (۲)

جو دین یا قابل پرورش لوگوں کو چھوڑ جائے تو میرے پاس آئے، اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات امیر وفرمانروا کی حیثیت سے فرمائی ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلامی مملکت کا بیت المال ایسی ضرورتوں کو پوری کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

---

(۱) ہدایہ:۴/۳۶۰۔ (۲) صحیح البخاری ، کتاب الکفالۃ ، باب الدین، حدیث نمبر:۲۱۷۶۔

ایک اور روایت میں یہ مضمون زیادہ وضاحت کے ساتھ منقول ہے :

فأيما مؤمن مات وترک مالا فليرثه عصبته من كانوا ، ومن ترک دينا أو ضياعاً فليأتنى فأنا مولاه . (۱)

لہٰذا جس مؤمن کا انتقال ہوجائے اور وہ ترکہ میں مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ وارثین کے لئے ہے، اور جو قرض کو یا قابل پرورش لوگوں کو چھوڑ جائے تو میرے پاس آئے، میں ان کا ذمہ دار ہوں۔

(۳) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

أيما أهل عرصة أصبح فيهم امرؤ جائع فقد برئت منهم ذمة الله . (۲)

جس آبادی کے لوگوں میں کسی شخص کی صبح اس طرح ہو کہ وہ (رات کو) بھوکا رہا ہو، تو ان سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ بری ہے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ نے یمن کے قبیلہ اشعر کی تحسین کرتے ہوئے ان کی اس خوبی کا ذکر فرمایا کہ سفر ہو یا حضر، جب ان کا کھانا کم پڑ جاتا ہے تو سب لوگ اپنی غذائی اشیاء کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور تمام لوگوں کی ضرورت اجتماعی طریقہ پر پوری کی جاتی ہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں :

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو ، أو قلّ طعام عيالهم في المدينة ، جمعوا ماكان عندهم فى ثوب واحد ، ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية ، فهم مني ، وأنا منهم . (۳)

اشعری لوگوں کا سفر میں جب توشہ ختم ہوجاتا ہے یا مدینہ میں انھیں کھانے کی تنگی ہوتی ہے تو وہ سب کے پاس کا غلہ ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں، پھر اسے ایک پیالہ سے برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں، میں ان سے ہوں۔

اس میں بھی آپ نے جس طریقۂ کار کی تعریف کی، وہ یہی اجتماعی کفالت کا طریقہ ہے۔

(۵) مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک 'سریہ' کسی مہم پر گیا ہوا تھا، ایک مرحلہ ایسا آیا کہ جس میں غذائی اشیاء نہایت قلیل مقدار میں باقی رہ گئیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر تمام لوگوں کے

(۱) صحيح البخارى ، كتاب الاستقراض ، باب الصلاة على من ترك دينا، حدیث نمبر:۲۲۶۹۔

(۲) مسند احمد ، عن ابن عمرؓ:۳۳/۲، حدیث نمبر:۳۳/۲۔

(۳) صحيح البخارى ، كتاب الشركة ، باب فى الطعام والنهد والعروض، حدیث نمبر:۲۳۵۴۔

پاس موجود خوردنی اشیاء جمع کیں اوران کے ذریعہ اجتماعی طور پر لوگوں کے کھانے کانظم کیا گیا، یہاں تک کہ بعد میں ان حضرات کوایک بڑی مچھلی مل گئی، جس کواس زمانہ میں 'سمک عنبر' سے تعبیر کیا جاتا تھا — عجب نہیں کہ وہ وہیل مچھلی رہی ہو — کافی دنوں تک مجاہدین اسی سے اپنی غذائی ضرورت پوری کرتے رہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں :

فأمر أبو عبيده بأزواد ذلک العيش ، فجمع ذلک كله ، فكان مزودي تمر ، فكان يقوتنا كل يوم قليلاً قليلاً حتى فني .... (۱)

ان دونوں واقعات میں اجتماعی کفالت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور یہی انشورنس کا بھی بنیادی مقصد ہے۔

(۶) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة ، رجل تحمل حمالة فحلت له المسئلة حتى يصيبها ثم يمسک ، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش ، أو قال : سداداً من عيش .... (۲)

سوال کرنا تین ہی آدمیوں کے لئے جائز ہے، ایک وہ شخص جس نے کوئی ذمہ داری قبول کی تو اس کے لئے اس ذمہ داری کو پوری کرنے کی حد تک سوال کرنا جائز ہے، پھر اس کے بعد وہ اس سے رُک جائے ، دوسرے وہ شخص جس کو کوئی آفت آگئی ہو اور اس کا مال اس کا شکار ہو جائے ،تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے؛ تا آں کہ اسے زندگی بچانے کے بقدر بقاء حاصل ہو جائے۔

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اجتماعی کفالت کا تصور دیا ہے۔

(۷) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید نے زکوٰۃ کا ایک مصرف 'غارمین' کو قرار دیا ہے، اور غارمین سے بعض اہل علم کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں، جو آسمانی اور زمینی آفتوں سے دوچار ہوں؛ چنانچہ امام مجاہدؒ سے منقول ہے :

ثلاثة من الغارمين : رجل ذهب السيل بماله ، ورجل أصابه حريق فذهب بماله ، ورجل له عيال وليس له مال فهو يدان وينفق على عياله . (۳)

غارمین میں تین لوگ شامل ہیں : ایک وہ شخص جس کا مال سیلاب میں بہہ گیا ہو،

---

(۱) صحيح البخاری ، باب غزوة سيف البحر، حدیث نمبر:۴۱۰۲۔

(۲) مسلم:۱۷۳/۳،کتاب الزکوٰۃ باب من تحل له المسئلة، حدیث نمبر:۲۴۵۱، مسند أحمد۔

(۳) مصنف ابن ابی شبية:۲۱۷/۳،کتاب الزکوٰۃ ، باب ماقالو فی الغارمين، حدیث نمبر:۱۰۶۶۰۔

دوسرے: وہ شخص جس کا مال نذر آتش ہوگیا ہو، تیسرے: وہ شخص جس کے زیر پرورش کئی لوگ ہوں اور اس کے پاس مال نہ ہو، تو اسے قرض دیا جائے گا اور اس کے زیر پرورش لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔

یہ مختلف احادیث اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ شریعت اسلامی اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ پریشان حال شخص کو تنہا چھوڑ دیا جائے اور اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے سماج اپنا کردار ادا نہ کرے؛ بلکہ اسلام انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے موقعوں پر اجتماعی کفالت کی بھی دعوت دیتا ہے؛ تاکہ غیر معمولی حالات کا مِل جُل کر مقابلہ کیا جائے، اسلامی حکومت میں چوں کہ بیت المال اجتماعی کفالت کی ضرورت کو پورا کرتا تھا، مقررہ واجبات کے علاوہ وہ خصوصی ٹیکس بھی عائد کرنے کا مجاز تھا؛ اس لئے اس کے لئے کسی الگ ادارے کی ضرورت نہیں تھی؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ بعد کو چل کر لوگوں نے اس مقصد کے لئے گروپ اور ادارے قائم کرنے شروع کر دیئے، جس کو علامہ ابن عابدین شامی (متوفی: ۱۲۵۲ھ) کے زمانہ میں ''سوکرہ'' سے تعبیر کیا جاتا تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ سمندری تجارت میں کشتی کے ڈوبنے، آگ لگنے، یا سمندری قزاقی کے واقعات پیش آنے کی نوبت آتی رہتی تھی؛ چنانچہ بحری تاجروں نے ایک طریقہ یہ اختیار کیا کہ جب کسی سے کشتی کرائے پر لیتے تو کرایہ کے علاوہ ''سوکرہ'' کے نام سے ایک اور رقم بھی اسے ادا کرتے، اس رقم کے بدلے کشتی کا مالک اس کی ذمہ داری قبول کرتا کہ اگر اس کشتی کا مال ضائع ہو جائے گا تو وہ اس کی تلافی کرے گا؛ چنانچہ کشتی والے کا نمائندہ اس شہر میں موجود ہوتا، جہاں کرایہ پر کشتی حاصل کی گئی تھی، اور وہ اس رقم کو ادا کرتا تھا —— علامہ شامی کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس صورت ربا پایا جاتا ہے؛ لہٰذا اگر یہ اسلامی ملک میں ہو تو جائز نہیں اور اگر دار الحرب میں اس کا لین دین ہو تو چوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دار الحرب میں ربا اور عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی کا مال لینا جائز ہے؛ اس لئے وہاں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔(۱)

مروجہ انشورنس کا حکم

غرض کہ انشورنس اجتماعی کفالت کی ایک منظّم صورت ہے، یہ اپنے مقصد کے اعتبار سے شریعت اسلامی کے مزاج کے عین مطابق ہے اور اپنے عہد کی ضرورت کے لحاظ سے عہد اسلامی میں اس کی مثالیں موجود ہیں؛ لیکن چوں کہ اس وقت نظام معیشت بھی مغرب کے ہاتھ میں ہے اور مغربی نظام معیشت کا تصور یہ ہے کہ جب تک انسان میں خود غرضی نہ ہو، اس وقت تک معیشت ترقی نہیں کر سکتی؛ کیوں کہ خود غرضی اور ذاتی مفاد ہی ایسا محرک ہے جو انسان کو جد و جہد اور تگ و دو پر آمادہ کرتا ہے؛ اسی لئے انھوں نے مختلف معاشی اداروں کی اس انداز پر تشکیل کی کہ اس میں

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار، باب المستأمن۔

سود اور قمار جیسی برائیوں کو داخل کردیا؛ تاکہ سرمایہ کار کو نفع تو حاصل ہو؛ لیکن اس کو نہ دوسرے کا تعاون کرنا پڑے اور نہ اپنے سرمایہ کے سلسلہ میں کسی قسم کا رسک اور خطرہ پیدا ہو، ایسے ہی اداروں میں ایک 'انشورنس' بھی ہے۔

(الف) مروجہ انشورنس میں شرعی نقطۂ نظر سے ربا النسا بھی ہے اور ربا الفضل بھی؛ کیوں کہ انشورنس کی بعض صورتوں میں جو رقم ادا کی جاتی ہے، وہ ایک مقررہ مدت کے بعد مع اضافہ کے واپس ملتی ہے تو اس میں 'ربا الفضل' ہوگیا؛ کیوں کہ زیادہ رقم واپس کی جاتی ہے اور 'ربا النسا' تو ہے ہی؛ کیوں کہ ایک کی طرف سے نقد اور ایک کی طرف سے اُدھار ادائیگی ہوتی ہے۔

(ب) انشورنس کی موجودہ صورت میں 'غرر فاحش' کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسی خرید وفروخت کے معاملہ سے منع فرمایا ہے، جس میں غرر ہو:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر . (۱)

مروجہ انشورنس میں تین پہلوؤں سے غرر موجود ہے، اول یہ کہ جس خطرہ کے تدارک کے لئے انشورنس اسکیم لی گئی ہے، وہ خطرہ پیش بھی آئے گا یا نہیں؟ یہ معلوم نہیں ہے، دوسرے: اسے کتنی قسطیں ادا کرنی پڑیں گی؟ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی قسط ادا کرے اور خطرہ پیش آجائے اور ہوسکتا ہے کہ سال بھر کی قسط ادا کرے اور کوئی خطرہ پیش نہ آئے، تیسرے: یہ بات بھی متعین نہیں ہے کہ اسے خطرہ پیش آنے کی صورت میں کتنی رقم ملے گی؛ کیوں کہ نقصان کی مقدار کیا ہوگی؟ اس کا اندازہ نہیں ہے اور نقصان کے لحاظ سے ہی وہ معاوضہ کا حقدار ہوگا۔

(ج) انشورنس کی مروجہ صورت میں قمار بھی ہے؛ کیوں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تمام قسطیں ادا کردے اور اس کے مقابلہ میں کچھ حاصل نہ ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تھوڑی سی رقم جمع کرے اور بہت ساری رقم حاصل ہوجائے، اسی کو 'قمار' کہتے ہیں۔

(د) غور کیا جائے تو اس میں ایک پہلو دَین کی دَین سے بیع کا بھی ہے، پالیسی لینے والوں کے ذمہ جو قسطیں باقی ہیں، وہ بھی دَین ہے اور کمپنی نے جو ذمہ داری قبول کی ہے، وہ بھی دَین ہے، گویا یہ ایسا معاملہ ہے جس میں دین کا عوض دین کی شکل میں طے پاتا ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً منع فرمایا ہے۔

(ہ) اس میں بعض اخلاقی مفاسد بھی ہیں، جو صرف وہمی نہیں ہیں؛ بلکہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، جیسے وارث کا مورث کے قتل کرنے کی تدبیر کرنا؛ تاکہ جلد سے جلد انشورنس کی رقم اس کے ہاتھ میں آجائے، خطرات سے مطمئن ہوکر بے احتیاطی سے کام لینا وغیرہ۔

ان اسباب ووجوہ کے تحت جمہور علماء کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ انشورنس کی مروجہ شکل حرام ہے، عالم عرب میں

(۱) مسلم، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذى فيه غرر، حدیث نمبر: ۳۸۸۱۔

معروف عالم ومحقق شیخ ابوزہرہ، شیخ محمد بخیت مصری، سابق شیخ الازہر شیخ جادالحق علی جادالحق، شیخ محمد غزالی، شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ صالح العثیمین، شیخ یوسف قرضاوی، شیخ احمد شرباصی، ڈاکٹر محمد دسوقی وغیرہ کا نقطۂ نظر یہی ہے، عالم اسلام میں غالباً شیخ مصطفیٰ زرقا، سابق شیخ الازہر شیخ محمد سید طنطاوی، موجودہ مفتی عام مصر ڈاکٹر علی جمعہ کے علاوہ کوئی قابل ذکر شخصیت نہیں، جس نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہو—اسی طرح علماء برصغیر میں قریب قریب تمام ہی علماء اور اربابِ افتاء انشورنس کی مروجہ صورت کے حرام ہونے پر متفق ہیں، میرے حقیر علم کے مطابق ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر صاحبِ علم نہیں جو اس کے جواز کا قائل ہو۔

اسلامی انشورنس کمپنیاں—مرحلہ بہ مرحلہ

ایک طرف انشورنس کی ضرورت اور دوسری طرف مروجہ انشورنس کی شرعی قباحتوں کے پس منظر میں علماء نے ایسے متبادل انشورنس کی طرف توجہ دی ہے، جو انشورنس کے مقصد کو بھی پورا کرے، اور جو مفاسد اس میں شامل ہو گئے ہیں، وہ ان سے خالی بھی ہو؛ چنانچہ اس سلسلہ میں غالباً سب سے پہلے ۱۹۳۴ء میں شیخ محبّ الدین خطیب نے تجویز پیش کی تھی کہ مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے اپنے پیشے سے متعلق اس قسم کے ادارہ کی تشکیل کریں، پھر ۱۹۵۴ء میں مصر کی وزارۃ اوقاف نے انشورنس کا ایک خصوصی فنڈ قائم کرنے کا پروجیکٹ تیار کیا، جس کو 'قانونی شخصیت' کا درجہ حاصل ہو، پھر ۱۹۷۹ء میں ''فیصل اسلامی بینک سوڈان'' نے باضابطہ انشورنس کمپنی شروع کی، جو اسلامی انشورنس کی پہلی مثال تھی، پھر خلیجی ریاستوں نے لائف انشورنس کے متبادل کے طور پر اسلامک انشورنس کی کمپنی قائم کی اور شارجہ کو اس کا مرکز بنایا گیا (۱)، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس شعبہ میں مسلسل ترقی ہو رہی ہے اور اس وقت تقریباً بیس اسلامک انشورنس کمپنیاں سوڈان، بحرین، عرب امارات، سعودی عرب، ترکی اور بعض مسلم اقلیتی ممالک جیسے جنوبی افریقہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

تکافل کے بنیادی اُصول

اسلامی اُصولوں پر جو انشورنس کمپنی قائم ہوگی، اس کی بنیاد ان اُصولوں پر ہوگی :

(۱) جو لوگ کمپنی کے ممبر بن گئے وہ اپنے اوپر ایک مقررہ مقدار ادا کرنے کو لازم کرلیں گے، مالکیہ کے مسلک کے مطابق انسان اپنے اوپر جس چیز کا التزام کرلے، وہ اس کے ذمہ لازم ہو جاتی ہے، موجودہ عہد کے ان فقہاء نے—جو اسلامی معاشیات میں بھی مہارت رکھتے ہیں—اسی رائے پر فتویٰ دیا ہے۔

(۲) اگر انشورنس کمپنی اس اساس پر قائم ہو تو وہ اپنے ممبران کے نقصانات کی تلافی کرنے کے ساتھ ساتھ

(۱) بحوث فی فقه المعاملات الماليه المعاصرة، للدکتور قره داغی، ص:۲۹۶۔

ان کو کچھ نفع بھی دیں گی تو کمپنی کے لئے ضروری ہوگا کہ دوالگ اکاؤنٹ رکھیں، ایک اکاؤنٹ تعاون سے متعلق رقوم کا ہواور دوسرا اکاؤنٹ سرمایہ کاری کا ہو، سرمایہ کاری والے اکاؤنٹ میں ممبران کی جو رقم جمع ہو، اس کا نفع اسے دیا جائے اور تبرع والے اکاؤنٹ کی رقم نقصانات کی تلافی میں خرچ کی جائے۔

(۳) جو رقم تبرع کے اکاؤنٹ میں جمع ہو، اگر وہ سال بھر ممبران کے مقررہ نقصانات کو پوری کرنے کے بعد بچ جائے تو وہ یا تو ممبران کو واپس کردی جائے گی یا ان کی اجازت سے آئندہ کی ضروریات کے لئے اسی اکاؤنٹ میں باقی رکھی جائے گی یا سالانہ پریمیم کم کردیا جائے۔

(۴) یہ ادارہ ربا اور قمار نیز ہر طرح کے غیر شرعی اُمور سے خالی رہے گا، اگرچہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو اس کی ادا کی ہوئی تبرع کی رقم سے زیادہ مل جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اپنے تبرعات تو جمع کرے؛ لیکن اس کو اس کے مقابلے میں کچھ نہ ملے؛ کیوں کہ اس کو وہ حادثہ ہی پیش نہیں آیا، جس کی وجہ سے وہ تعاون کا مستحق ہوتا؛ لیکن یہ ربا اور قمار کے دائرہ میں اس لئے نہیں آئے گا کہ ان دونوں کا تعلق عقد معاوضہ سے ہے نہ کہ تبرعات سے، اور یہ صورت تبرع کے قبیل سے ہے، اس میں ایسا نہیں ہے کہ بچی ہوئی رقم کے مالک وہ لوگ بن جائیں، جنھوں نے کمپنی قائم کی ہے، اسی طرح اس میں جہالت وغرر پایا جاتا ہے، مگر یہ معاوضات میں باعث فساد ہوتا ہے تبرعات میں نہیں؛ چنانچہ علامہ قرافی مالکی فرماتے ہیں :

> **الفرق ...... بين قاعدة ماتؤثر فيه الجهالات والغرر وقاعدة لا يؤثر فيه ذالک من التصرفات ...... : وانقسمت التصرفات عنده ثلا ثه أقسام : طرفان وواسطة ، فالطرفان أحدهما معاوضة صرفة فيجتنب فيها ذلک إلا ما دعت الضرور ة إليه عادة ...... وثانيهما ماهو إحسان صرف لا يقصد به تنمية المال کالصدقة والهبة والإبراء ، فإن هذه التصرفات لا يقصد بها تنمية المال ...... فلا ضرر فيه إلخ . (۱)**
>
> کن چیزوں میں جہالت مؤثر ہوتی ہے اور کن تصرفات میں جہالت مؤثر نہیں ہوتی ؟ اس کا بیان...... تصرفات تین قسم کے ہیں، دو انتہائی حدیں ہیں اور ایک درمیانی ہے، دونوں حدوں میں سے ایک صورت ان معاملات کی ہے، جو خالص عقد معاوضہ ہیں، ان کا جہالت سے محفوظ رہنا ضروری ہے، سوائے اس کے کہ عادت ورواج کی بناء پر ضرورت اس کے جائز ہونے کا تقاضہ کرتی ہو...... دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خالصتاً

(۱) کتاب الفروق للقرافی :۱/۱۵۱-۱۵۲۔

تبرع واحسان ہو،اس سے مال کی افزائش مقصود نہ ہو، جیسے: صدقہ ، ہبہ، ابراء، کہ ان تصرفات سے مال کی افزائش مقصودنہیں ہوتی کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) ممبران جورقم سرمایہ کاری کے لئے لگائیں گے،اس میں ان کی شرکت نفع ونقصان کی اساس پر ہوگی؛ کیوں کہ شریعت میں سرمایہ کاری کا بنیادی اُصول یہی ہے کہ سرمایہ کار اور محنت کار دونوں کو نفع ہونے کی صورت میں مقررہ تناسب کے مطابق نفع حاصل ہو اور اگر نقصان ہو تو اس کو سرمایہ کار برداشت کرے،یعنی سرمایہ کار سرمایہ کے نقصان کو گوارہ کرے اور محنت کار اپنی محنت کے نقصان کو گوارہ کرے۔

مروجہ انشورنس اور تکافل کا فرق

اس طرح مروجہ انشورنس اور اسلامی انشورنس کے درمیان بنیادی فرق ہے،جس کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے :

انشورنس	تکافل
مروجہ انشورنس عقد معاوضہ ہے،جس میں کمپنی کے شیر ہولڈر نفع حاصل کرنے کے لئے اپنی رقم لگاتے ہیں اور کمپنی کے ممبروں کو پیش آنے والے نقصانات کی تلافی کے بعد جو کچھ رقم بچ جاتی ہے،وہ ان کی ملکیت بن جاتی ہے۔	اسلامی انشورنس عقد تبرع ہے ، اس میں تعاون کی نیت سے رقم دی جاتی ہے، نہ کہ نفع کی نیت سے ۔
مروجہ انشورنس میں کمپنی کے شیر ہولڈرس اور کمپنی کے ممبروں کا الگ الگ اکاؤنٹ نہیں ہوگا ؛ بلکہ تمام رقمیں ایک ہی جگہ جمع ہوں گی ۔	اسلامی انشورنس کمپنی میں کمپنی کے ممبروں کی اعانتی قسط کا الگ اکاؤنٹ ہوگا ، جو نقصانات کی بھرپائی میں استعمال ہوگا،اور سرمایہ کاری کے لئے جمع ہونے والی رقم کا اکاؤنٹ الگ ہوگا،جس کا نفع شرکاء کو حاصل ہوگا۔
مروجہ انشورنس کمپنی میں جمع شدہ رقم میں سے جو بچ جائے گی ، اس سے پالیسی حاصل کرنے والے ممبروں کا کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ بلکہ شیر ہولڈر یعنی کمپنی کے مالکان اس کے مالک ہوں گے۔	اسلامی انشورنس کمپنی میں تبرع کے طور پر جو رقم دی گئی ہے،اگر اس میں سے بچ جائے تو یا تو ممبروں کو واپس لوٹا دی جائے گی یا تبرع کے فنڈ میں آئندہ کے لئے اسے محفوظ کرلیا جائے گا،یہ بچی ہوئی رقم کمپنی قائم کرنے والوں کی ملکیت نہیں بنے گی۔
مروجہ انشورنس کمپنی کی نگرانی کے لئے نہ کوئی 'شرعیہ بورڈ' ہوتا ہے اور نہ اس میں اسلام کے حلال وحرام سے متعلق احکام پیش نظر رکھے جاتے ہیں؛ چنانچہ اس میں ربا،قمار اور غرر کا پایا جانا بالکل واضح ہے۔	اسلامی انشورنس کمپنی میں اس بات کی رعایت ہوگی کہ تمام کام شریعت کے دائرہ میں ہو اور اس کی نگرانی کے لئے ایک شرعیہ بورڈ بھی ہوگا۔

عملی تطبیق

اسلامی انشورنس کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا مقصد صرف ممکنہ خطرات میں نقصانات کی تلافی کرنا ہو، جو لوگ اس میں ممبر بنیں، ان کا مقصد سرمایہ کاری نہ ہو —— دوسری صورت یہ ہے کہ نقصانات کی تلافی کے لئے تعاون بھی پیش نظر ہو اور حلال طریقہ پر سرمایہ کاری بھی۔

خالص تبرع کی صورت

پہلی صورت میں انشورنس کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں، ایک: ہبہ کی، دوسرے: وقف کی، اور یہ دونوں ہی تبرع کے قبیل سے ہیں، اگر ہبہ کی بنیاد پر تکافل کا نظام قائم ہو تو اس میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک تو یہ ہبہ مشروط ہے کہ اگر اس گروپ میں سے کسی شخص کو فلاں حادثہ پیش آئے تبھی اس کو رقم دی جائے گی تو کیا مشروط ہبہ درست ہو جائے گا؟ —— دوسرے: یہ کہ ہبہ کرنے والا کسی حادثے سے دوچار ہو تو وہ خود بھی اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے، تو کیا یہ بات درست ہے کہ واہب اپنے ہبہ کے مقابلہ میں عوض کی شرط لگا دے اور ایسی صورت میں کیا یہ ہبہ درست ہوگا؟

جہاں تک ہبہ میں شرط لگانے کی بات ہے، تو اول تو فقہاء کے اُصول کے مطابق تبرعات کے منعقد ہونے کے لئے شرط لگانا مانع نہیں ہے، معاوضات میں شرط لگانا نقصاندہ ہے، معاوضات میں شرط لگا دی جائے، اس کے باوجود ہبہ نافذ ہو جاتا ہے؛ چنانچہ علامہ بابرتی لکھتے ہیں:

> **وأما الهبة والصدقة والنكاح والخلع والصلح عن دم العمد، فإنها لا تبطل بالشروط الفاسدة، لأن الفساد باعتبار إفضائه إلى الربا، وذلك لا يتحقق إلا في المعاوضات، وهذه تبرعات وإسقاط.** (۱)

تاہم اگر غور کیا جائے تو یہاں نفس ہبہ میں شرط نہیں لگائی جا رہی ہے؛ بلکہ تبرع جمع کرنے والا انشورنس کمپنی کو وکیل بنا رہا ہے کہ وہ فلاں فلاں صورت حال سے دوچار لوگوں ہی کو اس میں سے رقم ادا کرے، گویا یہ 'وکالت مقیدہ' ہے؛ لیکن جب وکیل اپنے مؤکل کی طرف سے مستحق شخص کو رقم ادا کرتا ہے تو اس وقت موہوب لہ پر کوئی شرط نہیں لگائی جاتی؛ اس لئے درحقیقت یہ اشتراط فی الہبہ کے دائرہ میں آتا ہی نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا خود ہبہ کرنے والے کے لئے یہ درست ہوگا کہ وہ جن لوگوں کو ہبہ کر چکا ہے، ان سے تعاون وصول کرے؟ —— تو اس سلسلہ میں فقہاء احناف اور مالکیہ کا تصور یہ ہے کہ ہبہ بالعوض بھی درست ہے؛ چنانچہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی 'رجوع عن الہبہ' کا مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱) العناية، كتاب البيوع، باب بيع الطريق وهبته: ۱۷۲/۹، نیز دیکھئے: شرح فتح القدير: ۴۴۹/۶۔

...... لأن المقصود بالعقد هو التعويض للعادة . (۱)

فقہ مالکی کی معروف کتاب شرح خرشی میں ہے :

وهبة الثواب عطية قصد بها عوض مالي . (۲)

فقہاء شوافع کے یہاں اگر چہ راجح قول یہ ہے کہ ہبہ بالعوض میں اگر عوض معلوم ہو تو اس کا حکم بیع کا ہوگا نہ کہ ہبہ کا؛ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پر ہبہ کے احکام بھی جاری ہوں گے :

...... وقيل : هبة ، فتثبت له أحكام الهبة . (۳)

احادیث سے ہبہ بالعوض کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے ؛ چنانچہ حضرت ابوہریرۃ ﷺ سے روایت ہے : ''الرجل أحق بهبته مالم يثب منها '' (۴) یہ روایت متعدد کتب میں متعدد راویوں سے منقول ہے، غرض کہ ہبہ بالعوض جائز ہے، اگر انشورنس کی بنیاد ہبہ پر ہو، تو اس کو ہبہ بالعوض مانا جاسکتا ہے۔

وقف کی صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ انشورنس کی بنیاد 'وقف' پر ہو، وقف کی صورت میں جو رقم تبرعاً جمع ہوگی، اس کی سرمایہ کاری کی جائے گی اور اصل رقم کو باقی رکھا جائے گا، اسی طرح کچھ اور لوگ بھی اس وقف کو متاثر لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تعاون دے سکتے ہیں، پھر سرمایہ کاری سے جو نفع حاصل ہو، نیز وقف میں جو تعاون کی رقم جمع کی جائے، اسے کمپنی کے اُصول کے مطابق ممبروں کے مطالبات کی تکمیل میں خرچ کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں : ایک یہ کہ وقف اور مملوکاتِ وقف دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، اصل وقف کو باقی رکھتے ہوئے اس سے استفادہ کیا جائے گا؛ لیکن جو مملوکات وقف ہیں، ان کو باقی رکھنا ضروری نہیں، جیسے کوئی مکان یا کھیت وقف کیا جائے تو مکان اور کھیت کو باقی رکھنا ضروری ہے؛ لیکن مکان سے جو کرایہ اور کھیت سے جو پیداوار حاصل ہو وہ بعینہ وقف نہیں؛ اس لئے ان کو مصارف وقف پر خرچ کیا جاسکتا ہے، دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ 'وقف' ایسا تبرع ہے، جس سے خود متبرع بھی فائدہ اُٹھاسکتا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں خود تبرع کرنے والے کے اس سے فائدہ اُٹھانے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اس میں کسی تاویل وتوجیہ کی ضرورت پیش آتی ہے؛ اس لئے وقف کو 'تکافل' کی بنیاد بنانا زیادہ بہتر نظر آتا ہے، جس کا تصور غالباً سب سے پہلے

---

(۱) ہدایہ مع العنایہ وفتح القدیر: ۹/۴۰۔ (۲) شرح خرشی: ۷/۱۰۲۔

(۳) دیکھئے: روضۃ الطالبین: ۵/۳۸۴۔ (۴) سنن ابن ماجه ، كتاب الهبات، حدیث نمبر: ۲۳۸۷، وفي الزوائد ، في اسناده ابراهيم بن إسماعيل بن مجمع وهو ضعيف ، مستدرك الحاكم ، كتاب البيوع ، حدیث نمبر: ۲۳۲۳ ''قال الحاكم : هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه''۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مجلس تحقیقات شرعیہ (ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے استفتاء کا جواب دیتے ہوئے ۱۳۸۴ھ میں پیش کیا، اِس وقت پاکستان میں اسی بنیاد پر 'تکافل' کے نظام کا کامیاب تجربہ کیا جارہا ہے۔

سرمایہ کاری کے ساتھ تبرع

تکافل کی دوسری بنیادی صورت یہ ہے کہ تبرع کے ساتھ ساتھ سرمایہ کاری بھی ہو، اب اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ متبرع پوری رقم انشورنس کمپنی کو سرمایہ کاری کے مقصد سے دے اور متعین کردے کہ اس پر حاصل ہونے والے نفع کا کچھ فیصد تبرع ہوگا اور کچھ فیصد اس کو بطور نفع واپس ملے گا، گویا متبرع کی اصل رقم ضرورت مندوں پر صرف نہیں ہوگی؛ بلکہ اس سے حاصل ہونے والا نفع ان پر صرف ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ اصل رقم میں سے کچھ حصہ تبرع کے لئے کردیا جائے اور کچھ حصہ نفع کے لئے مختص ہو، جو رقم تبرع کے لئے ہے، اگر وہ بطور ہبہ کے ہو تو اصل رقم بھی مستحقین پر خرچ کی جاسکتی ہے اور اگر بطور وقف کے ہو تو اصل رقم کو باقی رکھتے ہوئے اس کا نفع مستحقین پر صرف کیا جائے گا اور جو رقم اس نے نفع حاصل کرنے کے لئے دی ہے، اس کا نفع اس کو واپس ملے گا۔

پھر جو تبرع کرنے والا اپنی رقم کے کچھ حصہ پر نفع حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ انشورنس کمپنی کو وہ رقم بطور مضاربت کے دے، اس رقم میں کمپنی کی حیثیت 'مضارب' کی ہے اور ممبران کی حیثیت 'رب المال' کی؛ چنانچہ مضاربت کے اُصول کے مطابق رب المال اپنے حصہ کا نفع لے لے اور کمپنی اپنے حصہ کا نفع، جس کو وہ مستحقین میں خرچ کرے، دوسری صورت یہ ہے کہ ممبران کمپنی کو 'وکیل بالاستثمار' بنادیں، کمپنی اپنی صواب دید سے اس سرمایہ کو لگائے اور بحیثیت وکیل ممبران سے اُجرت وکالت حاصل کرے، ایسی صورت میں کمپنی کو نفع ونقصان سے تعلق نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ بہر صورت اُجرت کی مستحق ہوگی، غرض کہ یہ ایسی صورت ہے، جس میں ممبروں کو بصورت استحقاق تعاون بھی حاصل ہوگا اور ان کو نفع بھی ملے گا۔

تکافل کی یہ ایسی صورتیں ہیں، جو انشورنس کی تمام ہی صورتوں میں قابل عمل ہیں —— لائف انشورنس کی صورت میں ممبروں کی رقم کا ایک حصہ مضاربت پر لگایا جائے گا اور جب رقم ادا کرنے کی نوبت آئے تو اس کا اصل سرمایہ اور مضاربت کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم تبرع کی مد سے پوری کی جائے گی؛ البتہ بنیادی اُصول یہ ہے کہ انشورنس ان ہی چیزوں میں قبول کیا جائے گا، جن کی خرید وفروخت یا جن کو کرایہ پر لگانا جائز ہو، جو بات خود ناجائز ہو، یا جس پالیسی کے پیچھے انشورنس لینے کی غرض سے ظاہر ہو کہ وہ ایک حرام مقصد کے لئے انشورنس حاصل کررہا ہے، تو ایسی چیز کا انشورنس جائز نہیں۔

انشورنس کی رقم، مالک کی وفات کے بعد

انشورنس سے متعلق ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کی حیثیت کیا ہوگی؟ —— تو اگر اس نے انشورنس کے لئے کسی کو نامزد نہ کیا ہو تو اس کی حیثیت اس کی موت کے بعد ترکہ کی ہوگی اور تمام ورثہ کا حق اس سے متعلق ہوگا، اور اگر اس نے کسی شخص کو نامزد کیا ہو تو اس کی حیثیت وصیت کی ہوگی اور اس پر وصیت کے احکام جاری ہوں گے؛ چنانچہ 'معاییر شرعیہ' میں ہے :

> فی حالة التأمين التعاوني لحالة الموت (التكافل) توزع المستحقات طبقا لأحكام الميراث على اعتبار أنها من تركة المشترك المتوفى ، إلا إذا حددها لأشخاص أو أغراض بعد موته ، وحينئذ تطبق عليها أحكام الوصية . (۱)

تاہم اس حقیر کا خیال ہے کہ اسلامی انشورنس کمپنیوں کو ایسا فارم بنانا چاہئے، جس میں اس بات کی صراحت ہو کہ وہ جس کو نامزد کر رہا ہے، اس کو اپنی زندگی میں وہ رقم ہبہ کر رہا ہے، یا وہ اس کے لئے وصیت کر رہا ہے؛ بشرطیکہ اس کے حق میں وصیت جائز ہو، یا وہ اس کی موت کے بعد اس کا ترکہ ہوگا اور کمپنی تمام ورثہ کو ان کے حق کے مطابق ادا کرے گی، یا وہ اپنے ورثہ میں سے کسی کو اپنا وکیل بنائے گا، جو کمپنی سے رقم وصول کرے اور تمام ورثہ کو ان کے حقوق کے مطابق ادا کرے، فارم میں اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہونی چاہئے۔

ری انشورنس (إعادة التأمين)

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مطالبات بڑھ جاتے ہیں اور کمپنی کے پاس موجود رقم کم پڑ جاتی ہے، ایسے مواقع کے لئے ری انشورنس کمپنیاں موجود ہیں، انشورنس کمپنیاں ری انشورنس کمپنیوں کی ممبر بنتی ہیں، جو ان حالات میں ان کو قرض فراہم کرتی ہیں، جو قرض دیتی ہیں، اس پر انٹرسٹ حاصل کرتی ہیں اور ری انشورنس کی ممبر بننے والی کمپنیاں جو رقم بطور فیس کے جمع کرتی ہیں، ان پر انٹرسٹ دیتی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ صورت جائز نہیں؛ لیکن اگر اسلامی ری انشورنس کمپنیاں موجود نہ ہوں تو مجبوری کے درجہ میں ری انشورنس کمپنیوں سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن یہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ ہو، نیز تکافل کمپنی کو ری انشورنس کمپنی جو زائد رقم ادا کرے، اسے غرباء پر خرچ کر دینا ضروری ہے۔

---

(۱) معاییر شرعیہ، دفعہ: ۴/۱۰۔

نیز یہ بات بھی ضروری ہے کہ مسلم ممالک اور مسلمان تجار خود اسلامی ری انشورنس کمپنی قائم کریں؛ تاکہ اسلامی انشورنس کمپنیاں سود اور قمار پر مبنی ری انشورنس کمپنیوں کی بجائے تبرع پر مبنی ری انشورنس کمپنیوں کی ممبر بنیں، ری انشورنس کمپنیوں کا طریقۂ کار بھی وہی ہوگا، جو انشورنس کمپنیوں کا ہے، یعنی یہ ری انشورنس کمپنیوں کو اپنے جمع شدہ تبرعات کا کچھ حصہ بطور ممبری فیس کے دیں گی، ری انشورنس کمپنی جمع شدہ رقم کو نفع آور بنائے گی اور اپنی ممبر انشورنس کمپنیوں کے مطالبات ادارہ کے مقررہ قاعدہ کے مطابق بطور تعاون یا بطور قرضِ حسنہ پورا کریں گی، نیز اس کے بھی وہی قواعد ہوں گے، جو عام اسلامی انشورنس کمپنیوں کے ہیں۔

○ ○ ○